Rizwan Ullah
D-178, Abul Fazl Enclave-I
Jamia Nagar, New Delhi - 110025
Tel: +91-9971283786, 9891832189
Email:ruilmi@rediffmail.com
Web: www.Rizwanullah.com

گاہے گاہے باز خواں

رضوان اللہ

ہمارے برصغیر کا سارا شمالی خطہ مشرق سے مغرب تک ہزاروں میل پر محیط ایک ایسا سبزہ زار ہے جو قدرت کی صناعیوں اور حسن کاریوں کا شاہکار ہے۔ زرخیزی اور مردم خیزی دونوں اعتبار سے بے مثال ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ شاہان ذوالجلال اور بزرگان عظام کتنے ہی ہفت خوانوں سے گزرتے ہوئے یہاں آتے رہے اور دنیاوی اور روحانی مسرتوں سے سرشار ہو کر یہیں اپنا مسکن اور محور بناتے رہے۔ قدرت نے فلک بوس کوہساروں کی فصیل سے اور ناپیدا کنار سمندروں کی باڑھ سے مسدود و محصور کر کے اس خطے کو نوع انسانی کی پرورش اور اس کی تہذیب کی مشاطگی کے لیے محفوظ و مامون بنایا۔ چنانچہ زمانۂ قدیم میں آریائیوں سے لے کر عہدِ حاضر تک باہر سے آنے والی قوموں اور تہذیبوں کی میزبانی کا شرف بھی اس خطے کو حاصل ہوتا رہا۔

ادب اپنے عہد اور زمانے کا سب سے زیادہ معتبر اور مستند شاہد اور راوی ہوتا ہے۔ اس کی تاریخ، تہذیب، معاشرت، ریت رواج سب کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ اس لیے لازم ہے کہ ہر دور کے ادب کو، خواہ وہ کسی زبان میں ہو، صرف محفوظ نہیں بلکہ زندہ رکھا جائے، تاکہ آنے والی نسلیں اپنے ماضی کی شناخت میں اس سے استفادہ کرتی رہیں۔ جس خطے کا ہم تذکرہ کر رہے ہیں وہیں تقریباً ایک ہزار برس کی مدت مدید میں ایک ایسی رنگا رنگ تہذیب کی چمن بندی ہوئی جس کے تانے بانے میں سارے اجزائے ترکیبی کے رنگ اپنے سارے حسن و جمال کے ساتھ دعوت نظارہ دے رہے تھے اور ان کے آہنگ فردوس گوش و ہوش ہوتے رہے۔ زیادہ صاف لفظوں میں کہا جائے تو مقامی زبانوں اور بولیوں سے باہر سے آنے والی اقوام کی زبانوں کے میل جول سے تہذیب کے اس تاج محل کی تدوین و تسویب ہوئی تھی۔ ان زبانوں میں سے ایک فارسی تھی۔ خطۂ اودھ کے مسند نشینوں کی سرپرستی اور ادب نوازی سے اس کا رنگ نکھرتا گیا۔

یہی جواز ہے اودھ کے ایک زریں عہد میں فارسی شعر و ادب کی بقا اور دوام کے لیے تصنیفات کو جاری رکھنے کا۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی ''اودھ کے فارسی گو شعراء'' ہے جو ڈاکٹر زہرہ خاتون کی تصنیف ہے۔ وہ زہرہ فاروقی کے قلمی نام سے لکھتی ہیں۔ ان کی دوسری تصنیف ''نصابِ تصوف'' ہے۔ جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا ہے ادب

معاشرے کے ہر پہلو کا آئینہ دار ہوتا ہے، صوفیہ کا طرزِ حیات معاشرے کے لیے ایک نہایت صالح اور صلح کل طریق حیات کا نمونہ پیش کرتا ہے۔ آج زندگی کے ہر شعبہ میں انتشار سے دوچار معاشرے کو اس نمونے کی یاد دلانی نہایت ضروری ہے۔ اس تصنیف کے ذریعہ یہی کام انجام دینے کی کوشش کی گئی ہے۔

ان تصانیف سے اس بات کا بھی اشارہ ملتا ہے کہ فکر انسانی اپنے اظہار کے لیے کسی بھی زبان کا چولا اختیار کرسکتی ہے اور وہ زمین و زبان کی حدود و قیود سے آزاد و بے نیاز ہوتی ہے۔ چنانچہ سرزمین فارس سے ہزاروں میل دور فارسی زبان نہ صرف فکری اظہار کر رہی تھی بلکہ ایک صاف ستھری اور پرکشش تہذیب کے تانے بانے بن رہی تھی اور اس کار ہنرمندی میں شریک ہونے والے مذہب وملت کی بندشوں سے بالکل بے نیاز ایک تہذیب کی تازہ کاری کی دھن میں لگے ہوئے تھے۔ ''اودھ کے فارسی گوشعراء'' اسی کی عکاس ہے۔

اودھ کے فارسی گوشعراء

ڈاکٹر زہرہ خاتون کی تصنیف ''اودھ کے فارسی گوشعراء'' دراصل برصغیر پر صدیوں کی مسلم حکمرانی کے زوال کا آخری منظر نامہ پیش کرتی ہے۔ اس دردناک داستان پر فارسی گوشعراء کے احوال و آثار کی ایک میٹھی پرت چڑھا دی گئی ہے جس کی وجہ سے اصل حقیقت تلخی کے احساس کے بغیر حلق سے اتر جاتی ہے لیکن فکر کی گہرائیوں میں پہنچنے کے بعد اس کی کسک محسوس ہوتی ہے۔ ''حرفِ آغاز'' کے زیرِ عنوان کتاب کا پہلا اور تعارفی مضمون (مرحوم) ڈاکٹر عبدالسلام، پروفیسر شعبۂ عربی لکھنؤ یونیورسٹی کا تحریر کیا ہوا ہے۔ وہ اس داستان کا مختصر بیانیہ ہے۔

> ''آٹھویں صدی عیسوی کی ابتدا میں محمد بن قاسم نے سندھ پر حملہ کیا اور فتح یاب ہوا اور پھر عربوں کی حکومت سندھ میں قائم ہوئی۔ عربوں نے تقریباً تین صدیوں تک سندھ پر اپنی حکومت قائم رکھی اور اسی زمانے میں سندھیوں اور عربوں کے مابین لسانی اور معاشرتی اختلاط ہوا اور دونوں نے ایک دوسرے پر اپنے اپنے تہذیبی اثرات مرتب کیے، گیارہویں صدی عیسوی تک ہندوستان کے اس علاقہ میں آزاد اسلامی ریاستیں قائم رہیں۔ پھر گیارہویں صدی عیسوی میں صفّاریوں نے جو کہ ایرانی تھے سندھ پر حملہ کر کے اسے فتح کرلیا۔ اب ہندوستان کے لوگوں کا سابقہ عربوں کے علاوہ ایرانوں سے بھی پڑا اور ایرانی تہذیب وتمدن کا اختلاط ہندوستانی تہذیب کے ساتھ ہوا اور ہندوستانیوں کو اب فارسی بولنے والی قوم کے ساتھ میل جول بڑھانے اور ربط ضبط رکھنے کا بھرپور موقع ملا۔ اور اس طرح پہلی بار فارسی زبان باقاعدہ ہندوستان کی سرزمین پر وارد ہوئی۔ اور دھیرے دھیرے اپنی تمام تر خوبیوں اور حسن کاریوں کے ساتھ ہند کی سرزمین پر تیزی کے ساتھ پھلنے پھولنے لگی۔ پھر بعد کے آنے والے زمانے میں تو ہندوستان کے مسلم سلاطین نے اپنی علم پروری اور ادب نوازی کے ذریعہ فارسی زبان وادب کو بڑی ترقی دی۔''
>
> ''آج کے جدید دور میں جبکہ علاقائی سطح پر ادب وتاریخ کا مطالعہ کیا جارہا ہے تو یہ ضروری ہے کہ خطۂ اودھ کے فارسی ادباء اور شعراء کی خدمات کا بھی باریک بینی سے مطالعہ کیا جائے۔ اردو کے حوالے سے تو ماضی میں کئی مستند کتابیں لکھی گئی ہیں جیسے ''لکھنؤ کا دبستانِ شاعری''، ''اردو ادب کا سیاسی وسماجی پس منظر'' وغیرہ مگر فارسی ادبیات کے حوالے

سے ابھی بھی علاقہ اودھ کا مطالعہ تشنہ ہے۔ شاید وقت کی اسی اہم ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے عزیزہ ڈاکٹر زہرہ خاتون نے اپنا یہ تحقیقی مقالہ ''اودھ کے فارسی گو شعراء'' مکمل کیا اور جامعہ ملیہ اسلامیہ یونیورسٹی سے فارسی ادب میں پی ایچ ڈی ڈگری حاصل کی اور اب وہ اپنی اس تحقیق کو کتابی صورت میں ناظرین کے سامنے پیش کر رہی ہیں۔''

زیرِ نظر تصنیف ۳۶۶ صفحات پر مشتمل اور چھ ابواب میں منقسم ہے۔ ابتدائی پانچ ابواب: اودھ کا سیاسی اور تاریخی پس منظر، نوابین اور شاہان اودھ کے (مختصر سوانحی خاکے)، نوابین اودھ کی تہذیبی اور سماجی زندگی، نوابین اودھ کی علمی و ادبی سرپرستی، دور نوابین اودھ کی چند اہم تصنیفات ہیں اس کے بعد کتاب کا چھٹا باب اودھ کے فارسی گو شعراء کے عنوان سے ہے جو اس کتاب کا اصل موضوع ہے۔

اودھ کے تاریخی پس منظر کے سلسلے میں مذکور ہے ''اودھ یوں تو اساطیری بنیادوں پر ابتدا ہی سے قدیم ہندوستان میں ایک ممتاز مقام رکھتا ہے۔'' اس بارے میں باقر شمس لکھنوی کی کتاب ''تاریخ لکھنؤ'' سے حسبِ ذیل اقتباس پیش کیا گیا ہے:

''اودھ کے معنی وعدہ کے ہیں۔ رام چندر جی نے بن باس کی مدت پوری کرنے کے بعد یہاں آنے کا وعدہ کیا تھا اور یہ وعدہ کا شہر تھا۔ ایک مدت کے بعد اجودھیا دارالسلطنت اور اودھ پورے صوبے کا نام ہو گیا۔''

اس کے بعد سید سلیمان ندوی کی تصنیف ''حیاتِ شبلی'' سے ایک مبسوط اقتباس ہے جس سے اس خطے کی پوری تاریخ پر روشنی پڑتی ہے۔

نوابین اور شاہانِ اودھ سے متعلق دوسرے باب میں ان کی ایک فہرست ہے جس میں تیرہ نام شامل ہیں جن میں سے صرف گیارہ کو اپنے عہد حکومت میں کچھ کرنے کا موقع ملا۔ بقیہ دو کا معاملہ یوں ہوا کہ منا جان کی حکومت محض چند گھنٹوں کی تھی اور مرزا برجیس قدر کو واجد علی شاہ کی معزولی کے بعد اراکین سلطنت نے تخت نشین کیا تھا جسے انگریز کمپنی نے تسلیم نہیں کیا۔ یہ فہرست نواب سعادت علی خاں برہان الملک سے شروع ہوتی ہے اور مرزا برجیس قدر سکندر جاہ پر ختم ہوتی ہے۔ اگلے تین ابواب انہی نوابین کے احوال و کوائف سے متعلق ہیں۔

شعراء سے متعلق چھٹے باب میں ایک سو شعراء کے احوال اور ان کے کلام کے نمونے شامل کیے گئے ہیں۔ ان میں سے ۲۸/ صاحبِ دیوان شعراء ہیں اور بقیہ ۷۲/ معروف شعراء میں شمار کیے گئے ہیں۔ ان میں حسبِ ذیل شعراء کے نام بھی شامل ہیں جو اردو شاعر کی حیثیت سے معروف و مشہور ہیں: انشاء اللہ خاں انشاء، مرزا محمد رفیع سودا، غلام ہمدانی مصحفی، میر تقی میر، واجد علی شاہ اختر، شیخ امام بخش ناسخ۔

آج جبکہ ہندوستان میں اردو زبان کی بقا کے لالے پڑے ہیں اور اہلِ اردو اس کے وجود کو تسلیم کرانے کی جدوجہد میں لگے ہیں فارسی کے سابقہ مقام کو سمجھنے سمجھانے کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے۔ ایسے میں یہ انکشاف یقیناً حیرت اور دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ اودھ کے فارسی گو شعراء کی اس فہرست میں ۳۸ ہندو شعراء کے نام شامل ہیں۔ یہ کتاب بھی ایک محدود عہد یعنی ۱۱۳۴ھ/ ۱۷۲۱ء تا ۱۲۷۳ھ/ ۱۸۵۶ء کا احاطہ کرتی ہے لہٰذا اس خطہ کے علاوہ ملک کے دوسرے حصوں میں اور اس عہد کے اگلے پچھلے زمانوں میں بھی فارسی زبان میں شاعری کرنے والے ہندو شعراء یقیناً موجود رہے ہوں گے۔ یہ حقیقت ہندوستان کی تہذیبی اور ادبی رنگا رنگی پر دلالت کرتی ہے۔ آج ان عظیم الشان

روایات کی یاد دہانی اور انھیں تازہ کرنے کی ضرورت ہمیشہ سے زیادہ ہے۔ یہی ضرورت اس تصنیف کی اہمیت اجاگر کرتی ہے، اسی لیے کہا گیا ہے ''گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را''۔

فارسی ادب و تاریخ کے طلبہ کے لیے یہ کتاب ایک مفید حوالے کی حیثیت رکھتی ہے۔

کشف المحجوب

ڈاکٹر زہرہ فاروقی کی دوسری تصنیف ''نصابِ تصوف'' میں اس امر پر اصرار کیا گیا ہے کہ سید ابوالحسن علی ہجویری کی تصنیف ''کشف المحجوب'' دراصل علم تصوف کا نصاب ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اگر دیگر علوم کی طرح تصوف بھی کوئی علم ہے تو اس کا نصاب ہونا چاہیے۔ کسی نصاب اور اس کے متعلقات کی تعریف اور تعین کرنے کے بعد وہ یہ نتیجہ اخذ کرتی ہیں کہ ''کشف المحجوب'' پرکھ کے اس معیار پر پوری اترتی ہے۔

حضرت ابوالحسن علی ہجویری معروف بہ داتا گنج بخش کے متعلق ڈاکٹر ادریس صاحب اپنے تعارفی مضمون میں لکھتے ہیں کہ موصوف ''چوتھی پانچویں صدی کے مشہور بزرگ صوفی تھے اور غالباً شمالی ہند میں آنے والے پہلے صوفی ہیں جنھوں نے سلطان محمود غزنوی کی سپاہ کے ہمراہ آ کر اسلام کی روشنی میں اپنی تعلیمات سے ہندوستان کو منور کیا آپ کی بزرگی اور عظمت کے لیے یہی دلیل کافی ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی (۵۳۷-۶۳۳ھ) نے دہلی تشریف لانے سے پہلے آپ کے مزار مبارک پر چلہ کشی کی۔''

''شیخ ہجویری نے دس سال تک بیرونی سفر اور علماء و مشائخ سے استفادہ کرتے ہوئے لاہور میں آ کر مستقل سکونت اختیار کی اور رشد و ہدایت اور تصنیف و تالیف میں مشغول ہو گئے۔'' آپ کا سالِ وفات ۴۶۵ھ ہے۔

''ڈاکٹر زہرہ خاتون نے Curryculum, Syllabus اور Text پر پہلے باب میں طویل علمی بحث کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ کسی بھی مضمون کی تعلیم و تدریس کے نظام میں ایک مرکزی مقصد ہوتا ہے جسے ہم متن کہہ سکتے ہیں، اس کے گرد پہلے حلقہ کو Curriculum اور دوسرے وسیع حلقہ کو Syllabus یا نصاب اور ان حلقوں کے باہر وسیع تر فضا کو Extra Curriculam کہہ سکتے ہیں۔ اس طرح یہ کہنا درست ہوگا کہ تصوف ایک علم ہے تو اس کا تدریسی ''نصاب کشف المحجوب'' ہے۔ نیز اس امر کی بھی تحقیق کی جائے کہ نصاب کی تعریفات پر یہ کتاب معتبر قرار دی جا سکتی ہے یا نہیں۔''

دوسرے باب میں حضرت علی ہجویری کے جو احوال دستیاب ہو سکے درج کیے گئے ہیں۔

باب سوم میں آپ کی تصنیفات کا بیان ہے۔ آپ کی بارہ تصانیف اور شعری دیوان ہے۔ جن میں شاہکار تصنیف کشف المحجوب ہی باقی ہے۔ اشعار کا دیوان تو ان کے بیان کے مطابق کوئی صاحب مستعار لے گئے لیکن واپس نہیں ملا۔ دیگر تصانیف بامرورِ زمانہ ناپید ہو گئیں۔ کشف المحجوب یقیناً تصوف کے موضوع پر پہلی معتبر کتاب ہے جو نثر میں لکھی گئی اور ہر دور میں صوفیہ نے نیز تصوف کے طلبہ نے اس سے استفادہ کیا ہے۔

چوتھے باب میں کشف المحجوب کی تصنیف کے مقاصد میں ان پچاس نکات کی تفصیل ہے جو اس کتاب کی اساس ہیں۔ یہ تمام نکات قرآن مجید اور احادیث سے ہی اخذ کردہ ہیں۔

پانچویں باب میں ''کشف المحجوب کو تصوف کے تدریسی نصاب کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ تصوف کے موضوع پر فارسی میں یہ قدیم ترین کتاب ہے جو تصوف کے اسرار و رموز کے بیان میں بلاشبہ ہر دور میں معتبر تسلیم کی گئی ہے۔

ڈاکٹر ادریس احمد صاحب نے اپنے تعارفی مضمون میں زیر نظر تصنیف کا مختصر ترین لیکن نہایت جامع تعارف کرادیا ہے۔ میرے لیے خود اپنی طرف سے کچھ کہنے کی گنجائش نہیں معلوم ہوتی، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نصابِ تصوف پر پوری بحث کو کم سے کم جگہ میں مصنفہ کے الفاظ میں پیش کر دیا جائے۔ اس تصنیف کا کمال یہ ہے کہ اس میں موضوع بحث کے ساتھ ساتھ سید ہجویری کی تعلیمات کو بھی پیش کیا گیا ہے اس طرح اس کتاب کے قاری کو علم تصوف کے متعلق ان کے نظریات کا بھی علم ہو جاتا ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ مصنفہ نے علم تصوف کے بارے میں خود نہ کوئی رائے قائم کی ہے نہ اس کو بیان کیا ہے، جو کچھ ہے سید ہجویری کی تعلیمات کے حوالے سے ہے۔ پہلے باب اول کے اس ابتدائی اقتباس پر نظر ڈالیں:

''وہ علم کون سا ہے جس کی ہنوز دریافت لازم ہے اگر اسی علم کا نام ''تصوف'' ہے اور اس کے شناسا صوفیۂ کرام ہیں تو اس علم کے حدود اربعہ کیا ہیں، اس کا درس کیسے اور کس سے لیا جائے انسان کی یہی مشکل تھی جس کو آسان کرنے کے لیے، اس کی وہی حیرانی تھی جس کو دور کرنے کے لئے ایک مرد خدا نمودار ہوا۔ ''مردی از غیب برون آید و کاری بکند''۔ وہی مرد خدا سید علی بن عثمان ہجویری عرف ''داتا گنج بخش'' کی ذات بابرکات ہے جس نے اس روحانی علم کے اجزائے ترکیبی بیان کئے ہیں۔''

اس کے بعد نصاب اور اس کے تلازمات پر پوری بحث ہے جس کا اختتام یوں ہوتا ہے:

''اب دیکھنا یہ ہے کہ اس مخصوص مضمون یعنی تصوف کی تعلیم کے لئے نصاب کے مطابق جس متن کی ضرورت ہے وہ متن نصابی تلازمات کی تکمیل بھی کرتا ہے یا نہیں۔ مزے کی بات یہ ہے کہ وہ تلازمات خود متن کے اندر مذکور ہیں اس لئے ان کی پرکھ کی جائے کہ نصاب کی تعریفات پر یہ کتاب پوری اترتی ہے یا نہیں۔ یہاں یہ بحث کی جاسکتی ہے کہ کوئی زبان پہلے وجود میں آتی ہے، اس کے بعد اس کی گرامر وضع کی جاتی ہے تو کیا ایسا نہیں ہے کہ ہم نے پہلے کشف المحجوب کو ایک نصاب قرار دیدیا ہے اور اب اس کو گرامر کے فریم میں فٹ کر رہے ہیں لیکن ایسا نہیں ہے۔ گرامر کا وہ فریم پہلے سے موجود ہے اور اس سے الگ کشف المحجوب بھی موجود ہے۔ ہم صرف کتاب پر اس گرامر کا اطلاق کر کے، یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ کتاب اس گرامر کے عین مطابق ہے۔''

باب دوم سید ہجویری کے احوال پر مشتمل ہے:

''نسب شریف ان کی اس طرح سے زبانی مجاورین کے ظاہر ہوئی کہ حضرت علی گنج بخش بن سید عثمان بن سید علی بن سید عبدالرحمٰن ابن سید عبداللہ ہجویری بن سید ابوالحسن علی بن سید حسن بن سید زید شہید بن حضرت امام حسن بن حضرت علی المرتضی شیر خدا، کرم اللہ وجہہ۔''

تین قطعات کے جو اشعار آپ کے مزار پر نصب ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ تاریخ وفات ۴۶۵ھ یا اس کے آس پاس ہے۔

''آپ کے ازدواجی حالات سے متعلق تذکروں میں کوئی صراحت نہیں ملتی۔ سوائے اس کے کہ آپ کی شادی ضرور ہوئی تھی مگر

کچھ ہی مدت کے بعد، مفارقت کا سامنا ہوگیا اور پھر تا حیات آپ کسی دوسرے رشتہ سے منسلک نہ ہو سکے۔ آل اولاد کے متعلق بھی کسی تذکرہ نویس نے یا خود آپ نے کہیں کوئی ذکر نہیں کیا۔''

آثار سید ہجویری کے تحت تیسرے باب میں حضرت کی تصنیفات کا تذکرہ ہے۔ ''آپ کی تصنیفات کی فہرست طویل ہے جس میں شاہکار کشف المحجوب ہے۔.....افسوس کہ بیشتر آثار آپ کی زندگی میں ہی ناپید ہو چکے تھے۔ان کا مختصر جائزہ حسب ذیل ہے۔''اس جائزے میں صرف بارہ کتابیں شامل ہیں۔

باب چہارم، ''کشف المحجوب: مقاصد و تعلیمات'' دراصل یہی باب اس تصنیف کا حاصل ہے۔

''امور شریعت، اسرار طریقت، صوفیہ کے احوال اور اقوال وغیرہ لکھنے کا سید ہجویری کا خاص مقصد یہ تھا کہ لوگ کتاب وسنّت نبویؐ کی روشنی میں صحیح راستہ کا تعین کریں، حقائق کو اختیار کریں، برائیوں اور گناہوں سے حتی الوسع گریز کریں، بدعات کی تاریکیوں میں نہ بھٹکیں اور کسی بھی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش باقی نہ رہ جائے۔ چنانچہ یہ کتاب ایک ایسا گنجینہ اقوال واحوال ہے جسے اہل تصوف بڑی قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ آیئے اب اس نصابی کتاب کا مقصد اور سید ہجویری کی تعلیمات پر بھی ایک سرسری نگاہ ڈال لیں۔''

''سید ہجویری کی تعلیمات کا محور صرف اور صرف قرآن واحادیث اور اقوال ہیں اس سے الگ ہٹ کر وہ کسی بھی نظام حیات کو قابل ستائش نہیں سمجھتے چنانچہ ذیل میں پچاس نکات اُنکی تعلیمات سے متعلق پیش کئے گئے ہیں۔''

پانچویں باب میں ''نصاب تصوف یعنی کشف المحجوب'' کے بارے میں لکھا گیا ہے:

''اسلام میں تصوف کا تصور صحابۂ کرامؓ کے زمانہ مبارک سے ہی قایم ہوگیا تھا، تاہم اس اصطلاح کا استعمال دوسری صدی ہجری میں مختلف تصنیفات میں ظاہر ہوا۔ چوتھی صدی ہجری کے اوائل میں (۳۰۹ھ/۹۲۲ء) حسین بن منصور حلاج کے قتل نے صوفیوں کی دنیا میں ایک ہنگامہ سا برپا کر دیا چنانچہ یہ بات واضح کرنے کی ضرورت محسوس کی گئی کہ اصل تصوف کیا ہے نیز طریقت اور شریعت کا باہمی تعلق کیا ہے، اس مقصد کی تکمیل کے لئے تصوف کے موضوع پر جامع تصنیفات کا سلسلہ شروع ہوا۔''

''تذکرہ نویسوں کے مطابق اس کا پورا نام ''کشف المحجوب لارباب القلوب'' ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کا نام کشف المحجوب کیوں رکھا گیا، اگر اس کی وجہ تسمیہ پر گفتگو کریں تو اس کے لئے ایک الگ ہی باب درکار ہوگا۔ میری ناقص رائے یہ ہے کہ جو اہل دل، اہل طریقت ہیں انکے جو بھی اشغال واعمال ہیں انہیں واضح طور سے اس طرح بیان کرنا کہ کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش باقی نہ رہے۔ ظاہر ہے کہ یہ کتاب راہ حق کے بیان، کلمات حق کی شرح اور حجاب بشریت کے کشف میں لکھی گئی ہے، اور اگر مصنف کے مقدمہ پر غور کیا جائے تو سید ہجویری کا کہنا ہے کہ یہ کتاب ابوسعید ہجویری کی درخواست پر لکھی گئی۔ بالخصوص اُن سوالات کے جوابات پر مشتمل ہے جو ابوسعید ہجویری نے سید صاحب سے کئے گئے تھے۔''

ابوسعید ہجویری کے سوالات گیارہ نکات پر مشتمل تھے۔ سید ہجویری نے ان تمام سوالوں کے جواب کشف کی صورت میں علمی دلایل و براہین اور قرآنی آیات واحادیث کے ساتھ پیش کئے ہیں۔ اس کتاب میں جہاں تصوف کی حقیقت اور اسکے رموز و نکات بیان کئے گئے ہیں اس کے ساتھ ہی اس کی تعلیم و تدریس کے مطابق تربیت کی ضرورت بھی بیان کی گئی ہے۔

کشف المحجوب کے مشمولات میں سب سے پہلا موضوع حصولِ علم ہے جس کی اہمیت قرآن اور احادیث کے مختلف حوالوں سے بیان کی گئی ہے۔ اگلا موضوع فقر و درویشی ہے۔

فقیر کے باب میں کہتے ہیں کہ فقیر یا درویش وہ شخص ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو، اور نہ ہی اس کے نہ ہونے سے اُس فقیر کو کوئی محتاجی ہو، گویا اسباب کا ہونا یا نہ ہونا دونوں ہی کیفیات اس کے فقر میں یکساں ہیں۔

اس کے بعد نصاب کا اگلا موضوع تصوف سے متعلق ہے، یعنی تصوف کیا ہے، اس کے معنی کیا ہیں، اس کی قسمیں کیا ہیں، صوفیہ کسے کہتے ہیں ان کے اوصاف و آداب نیز اخلاق، صوفیہ کے بنیادی خصائل، ان کے معاملات، رہن سہن، لباس پوشاک مریدی کی تربیت، غرض کہ چھوٹی سے چھوٹی کسی بھی بات کو اس موضوع سے متعلق تشنہ نہیں چھوڑا ہے۔

صوفیہ کرام کے بعد اس نصاب کا اگلا موضوع خلفائے راشدین، اہل بیت، اصحاب صفّہ نیز تبع تابعین پر مشتمل ہے اس حصہ میں تقریباً چونسٹھ (۶۴) لوگوں کے تذکرے شامل کئے گئے ہیں جو چودہ (۱۴) ابواب میں منقسم ہیں۔

اس کے بعد اس نصاب کا اہم موضوع صوفیہ کے مختلف مکاتب و مذاہب کے متعلق ہے۔

اسکے بعد جود و سخا، گرسنگی، مشاہدہ، صحبت، آداب صحبت، آداب سفر، کھانے پینے، چلنے پھرنے کے آداب، سفر و حضر میں سونے جاگنے کے آداب، گفتگو اور خاموشی کے آداب، نکاح و تجرد، اور اسی طرح کے دیگر موضوعات پر مشتمل انتالیس باب اس کتاب کے موضوعات رہے ہیں جن میں آخری اور اہم باب سماع اور آداب سماع سے متعلق ہے۔

یہ تمام موضوعات ضمنی طور پر کتاب میں شامل ہوتے گئے ہیں لیکن اصل تو کشف کے متعلق ہے۔ اس ضمن میں حضرت نے گیارہ موضوعات منتخب کیے ہیں اور ہر موضوع کو ایک کشف کا نام دیا ہے جو ایک باب کی شکل میں مفصل طور پر مذکور ہے۔ کتاب کا پہلا باب یعنی کشف حجاب اول معرفت الٰہی کے عنوان سے ہے جس میں معرفت کے نظریاتی اختلافات اور اس سے متعلق رموز و لطائف کا بیان ہے۔ ایک حدیث کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کی معرفت کما حقہ حاصل ہوتی تو تم دریاؤں پر خشک قدم چلتے اور تمہاری دعاؤں سے پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جاتے۔''

دوسرا کشف توحید کے بیان میں ہے۔ تیسرا کشف حجاب ایمان کے بارے میں ہے۔

ایمان کی علامتوں میں یہ ہے کہ بندہ دل سے توحید کا اعتقاد رکھے، آنکھوں کو برائیوں سے بچائے، اللہ کی نشانیوں اور آیتوں سے عبرت لے، کانوں سے کلام الٰہی کی سماعت کرے، کھانے پینے میں حرام چیزوں سے گریز کرے۔ ہمیشہ سچ بولنے کی کوشش کرے۔ اپنے آپ کو برائیوں سے محفوظ رکھے یہ تمام ایمان کی علامات ہیں لہذا تمام اہل ایمان کو اس پر اتفاق کرنا چاہیے۔

چوتھا کشف نجاست سے پاکی اور طہارت کے متعلق ہے جس کی دو قسمیں ہیں ایک ظاہری اور دوسری باطنی۔

نماز کا بیان پانچواں کشف ہے۔ زکوٰۃ چھٹا کشف ہے اس باب میں زکوٰۃ کے تلازمات کو بڑی تفصیل سے آسان زبان میں بیان کیا گیا ہے۔ روزہ ساتواں کشف۔ آٹھواں حج کے بیان میں ہے۔ نواں کشف صحبت اور اس کے آداب واحکام سے متعلق ہے۔ ادب کی تین قسمیں بیان کی ہیں اول وہ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ بندہ ملحوظ رکھتا ہے۔ دوسری قسم کا تعلق معاملات سے ہے یعنی کسی حال میں ہوں ہمیشہ مروت کا لحاظ رکھنا تیسری قسم لوگوں کے ساتھ صحبت میں حسن معاملہ ہو۔

کتاب کا دسواں کشف حجاب مشائخ کے کلام اور ان کے الفاظ و معانی کے بیان میں ہے۔ گیارہواں اور آخری کشف سماع سے متعلق ہے۔ فرماتے ہیں:

تمام سنی جانے والی باتوں میں سب سے زیادہ اہم، دل کے لئے مفید ظاہر و باطن کے لئے باعث ترقی اور کانوں کے لئے لذیز اللہ کا کلام ہے اور تمام اہل ایمان کو اس کے سننے کا حکم دیا گیا ہے۔ قرآن کے معجزات میں سے ایک معجزہ یہ بھی ہے کہ طبیعت اس کے سننے اور پڑھنے سے بے چین نہیں ہوتی کیونکہ اس میں رقت بہت زیادہ موجود ہے۔ حتی کہ کفار قریش راتوں کو چھپ کر حضور اکرمؐ کی نماز میں قرائت و تلاوت کو شوق سے سنتے تھے اور قرآن کے اس معجزہ یعنی اس کی لطافت و رقت پر حیران رہ جاتے تھے۔ اس سلسلہ میں سید ہجویری نے بے شمار روایات و حکایات بیان فرمائی ہیں۔

قرآن پاک کے بعد سماع کے ضمن میں دوسرا موضوع اشعار سننے کے سلسلہ میں موضوع بحث ہے۔ کہتے ہیں کہ شعر سننا مباح ہے۔ سماع سے متعلق صوفیہ اور مشائخ کے اقوال بھی کتاب میں شامل ہیں لیکن اختصار کے ساتھ۔ کہیں کہیں اختلاف کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ اور اس سلسلے میں صوفیہ کے مراتب بھی بیان کیے گئے ہیں۔ سید ہجویری نے سماع کے آداب بھی بیان کیے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جب تک ضرورت نہ ہو سماع نہ کرے۔ اسی کو عادت نہ بنائے لیکن کبھی کبھی سماع کرے۔

زیرِ نظر کتاب کا اختتام حسب ذیل عبارت کے ساتھ ہوتا ہے:

> ''کشف المحجوب پر کوئی تبصرہ تو درکنار اس کے تعارف کے لئے بھی یہ مختصر سی تصنیف کافی نہیں ہے۔ کشف المحجوب کے جو حوالے اور اقتباسات پیش کئے گئے ہیں ان کا مقصد صرف اس بیان پر اصرار ہے کہ شیخ ہجویری کی اس تصنیف میں وہ تمام عناصر اور خواص موجود ہیں جو درسیات کی موجودہ اصطلاح میں اس کو تصوف کا ایک مکمل نصاب بلکہ اولین نصاب قرار دینے کے لئے کافی ہیں۔ اللہ رب العزت سے اس دعا کے ساتھ یہ تحریر اختتام کو پہونچتی ہے کہ اس کو شرف مقبولیت عطا فرمائے۔ آمین۔''

اس مضمون میں مجھے اپنی طرف سے کچھ کہنے کے بجائے ۱۱۲ صفحات پر مشتمل روحانی بصیرتوں سے بھرپور زیر نظر تصنیف سے اقتباسات پیش کر دینا ہی مناسب معلوم ہوا۔ اس کتاب کے آخری پیراگراف کے ساتھ اس تحریر کو ختم کرتا ہوں۔

نئی کتاب پبلشرز، اوکھلا مین روڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی 110025 اور شب خوں کتاب گھر، 313 رانی منڈی، الہ آباد، یوپی سے یہ کتابیں حاصل کی جاسکتی ہیں۔